۶۵واں باب

موسیٰ علیہ السلام کی حکومتِ وقت کے ساتھ کش مکش

سُوْرَةُ الْقَصَص

۲۴۲ غالب تہذیبیں انسانی طبقات کو تقسیم کرتی ہیں

۲۴۴ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

۲۴۶ موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے نکلنا

۲۴۸ موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا

۲۴۸ موسیٰ علیہ السلام کی شادی اور مدین میں طویل قیام

۲۵۰ موسیٰ علیہ السلام کو مصر واپسی کے سفر میں نبوت ملنا

۲۵۲ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

۲۵۴ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا یہ بیان رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے

۲۵۵ موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کے تناظر میں اہلِ مکہ کو دعوتِ ایمان

۲۵۶ نصاریٰ کا ایمان لانا اور اُن کی توصیف

۲۵۷ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان معاشی تنگی کا سبب بنے گا!!

۲۵۸ مشرکین کی روزِ قیامت رُسوائی

۲۶۰ قارون کا قصہ: دنیا پر اتراؤ نہیں

۲۶۲ حاصلِ کلام: خلاصۂ دعوت

٦٥واں باب

موسیٰ علیہ السلام کی حکومت کے ساتھ کش مکش

اللہ کے فضل و کرم اور اُس کی توفیق سے چھٹے سال کے واقعات، تنزیلات اور متعلقہ موضوعات کے ساتھ ہم اس جلد کے آخری باب پر آ گئے ہیں۔ اس باب میں اس سال میں نازل ہونے والی آخری تنزیل [نزولی ترتیب پر ٦٧ ویں] سُوۡرَۃُ الۡقَصَص ہے، جس کا بنیادی موضوع نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی رسالت پر اہلِ مکہ کی جانب سے وارد کیے ہوئے اعتراضات کا جواب دینا ہے۔ سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی اور پھر کچھ ہی عرصے بعد سُوۡرَۃُ الۡکٰفِرُوۡن نے دو باتیں اہلِ مکہ پر بالکل واضح کر دیں پہلی یہ کہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم جو چیز عقیدہ توحید کے ساتھ لائے ہیں وہ دینِ اسلام ہے، توحید بلاشبہ جڑ ہے لیکن دین، کل زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے، ہر شعبہ زندگی کے لیے رہ نما خطوط کے ساتھ حرمت کے دائرے کھینچتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حجاز میں اب شرک و کفر کے ساتھ عقیدہ توحید کی بقائے باہمی کا نہ کوئی امکان اور نہ کوئی موقع۔

مکے میں جو حالات چل رہے ہیں اس کتاب کا ترتیب سے مطالعہ کرنے والے قارئین اُن سے بخوبی واقف ہیں، مختصراً جو اس کا اعادہ کرنا چاہیں وہ گزشتہ باب [٦٤ ویں] کے ابتدائی دو صفحات کا مطالعہ کر لیں جس میں پچھلی مرتبہ جبریل امین کے لائے ہوئے قرآن کے جز سُوۡرَۃُ النَّمۡل پر گفتگو کی گئی ہے کہ وہ کس طرح اُس دور میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کی حمایت اور مخالفت میں چلنے والی رَووں [currents and under currents] کے درمیان حالات و مسائل سے تعارض کرتی ہوئی مخالفین کو جواب دیتی، اُن پر حجت تمام کرتی، انجام سے ڈراتی اور کانٹے کی کش مکش کے دوران مومنین کی تربیت کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ اب جب سُوۡرَۃُ النَّمۡل کے نزول کو چند ہفتے [چار چھ ہفتے] ہی گزرے ہیں اور یہ سورہ نازل ہو رہی ہے، پسِ منظر اور حالات میں کوئی تبدیل نہیں آئی ہے۔

سُوۡرَۃُ الشُّوۡرٰی اور سُوۡرَۃُ الۡکٰفِرُوۡن کی روشنی میں یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ اللہ کی ہدایت پر اُس کے رسولؐ اور مومنین کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ محبت کے ساتھ بات کو سمجھانے کے عمل کو جاری رکھا جائے مگر اب انقلاب مکے میں نہیں آئے گا، انقلاب کے لیے زمین کوئی اور تلاش کرنی ہو گی، پلٹ کر مکے کو

اپنے ڈھب پر لانا ہوگا، اس مقصد کے لیے ایک جائے پناہ حبشہ میں مل چکی ہے، لیکن نصاریٰ کے رُھبان کامل اسلامی ماحول اور تبدیلی کے رستے میں حائل ہیں۔ نئی زمین تلاش کرنی ہوگی۔ ہجرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی سنت ہے جس کا قرآن تذکرہ کرتا رہا ہے، اور اب یہ خاتم النبیین کو بھی ناگزیر نظر آرہی ہے۔

دوسری جانب کفار بھی اب اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ محمد (ﷺ) کو کسی طور اس نئے دین سے اور اُس کی اشاعت اور اس کے قیام کی کوششوں سے باز رکھ سکیں گے، وہ یہ بھی جان گئے تھے کہ ابوطالب کی زندگی میں محمد (ﷺ) کو قتل کے معنی ایک طویل خانہ جنگی اور خوں ریزی ہے، لیکن اس کے علاوہ اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ اگر جلاوطن بھی کردیں تو ڈرتے تھے کہ ایک دن وہ اِنھیں مکے سے نکالنے کے لیے پلٹ آئے گا۔ ایک ہی مہینے بعد نبوت کے ساتویں سال کی ابتدا ہی میں اُنھوں نے اُس کا ایک حل یہ نکالا کہ بنوہاشم کا معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے، جو نبی ﷺ کے پشتیبان ہیں۔ اور یہ بائیکاٹ اُس وقت تک جاری رہے جب تک ابوطالب محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے اُن کے حوالے نہ کردیں۔ یہ مقاطعہ عام طور پر محاصرہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اسے تفصیل سے ہم اگلی جلد میں نبوت کے ساتویں سال پر گفتگو کرتے ہوئے زیرِ بحث لائیں گے۔

ہم موضوع کی طرف پلٹتے ہیں، اب جبریل امینؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے سُوْرَۃُ الْقَصَص نازل فرمائی ہے، رسالت کے باب میں جو اعتراضات اہلِ مکہ خود اور یہود سے سیکھ کر کر رہے تھے اُن کو موسیٰؑ کے واقعات کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ مثلاً کفارِ مکہ نے کہا کہ موسیٰؑ کی طرح معجزے کیوں نہیں دکھاتے اور پوری کتاب الواح پر لکھی کیوں نہیں اُترتی؟ جواباً پوچھا گیا کہ کیا تم موسیٰؑ کو اور اُس پر نازل ہونے والی کتاب کو اور آخرت کو تسلیم کرتے ہو؟ تمھیں نبی ﷺ کی دنیاوی حیثیت پر خاموشی سے نبوت مل جانے پر اعتراض ہے، ذرا موسیٰؑ کی پیدائش سے جوانی اور مدین جانے اور شادی کے بعد واپسی اور رستے میں نبوت ملنا سارے حالات پر غور کرو، جس طرح اُن پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتے اُسی طرح محمد ﷺ پر بھی مناسب نہیں ہیں! اور جنھوں نے یہ سوالات سجھائے تھے اُن کے لیے بھی اور کفارِ مکہ کے لیے بھی ایک سوال سامنے آتا ہے کہ ایک نبی اُمی کہاں سے یہ ساری معلومات لارہا ہے، یقیناً یہ سچا نبی ہے۔

گزشتہ ۷۵ویں تنزیل سُوْرَۃُ النَّمل میں موسیٰؑ کو نبوت ملنے اور فرعون کے سامنے دعوت پیش کرنے کا بڑا مختصر سا حوالہ ہے، تاہم اُس سے قبل ۷۴ویں نازل ہونے والی سُوْرَۃُ الشُّعَرَآء میں تفصیل سے موسیٰؑ کی

کارِ نبوت پر سرفرازی، ایوانِ اقتدار میں موسیٰ ؑ کا فرعون سے مکالمہ، فرعون کی حکومت کا موسیٰ ؑ سے نبٹنے کی تیاری کرنا، فرعون کے جادوگروں کا ایمان لانا، موسیٰ ؑ کا بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلنا، فرعون کی فوجوں کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں جانا اور غرقِ آب ہونا زیرِ بحث آئے ہیں۔ یہ موضوعات اس لیے چھیڑے گئے کہ قریش کو بتایا جائے کہ تم نبی کریم ﷺ کی دعوت کے جواب میں بالکل وہی باتیں کہہ رہے ہو جو اس سے قبل فرعون کے ایوانِ حکومت کی جانب سے کہی جاچکی ہیں، تمھارے اقتدار کی حیثیت کیا ہے ہم نے فرعون کو اُس کے اعیانِ سلطنت اور ساری فوج کو غرقِ آب کر دیا تھا، تم بھی کیا عذاب کا مزا چکھنا چاہتے ہو۔

اب جبریلِ امین ؑ ۷۶ ویں تنزیل سُوۡرَۃُ الۡقَصَص لے کر حاضر ہوئے ہیں، جو اِس چھٹے سال کی آخری نازل شدہ سورۃ ہے۔ اس میں موسیٰ ؑ کی زندگی کا وہ حصہ جو جو نبوت سے قبل کا ہے وہ بہت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس سورہ کے موضوعات میں موسیٰ علیہ السلام کی پیدایش، آپ کی جوانی تک نشو نما، آپ کا مصر سے نکلنا، مدین پہنچنا، شادی بیاہ اور مدین میں طویل قیام کے بعد مصر واپسی کے سفر میں نبوت ملنا، فرعون کے دربار میں دعوت دینا زیرِ بحث آئے ہیں۔ اس سورۃ میں ایک بنی اسرائیلی سرمایہ دار و سرمایہ پرست کے زمین میں دھنسا دیے جانے کے تذکرے کے ساتھ مسکین سرمایہ پرستوں کا بھی ذکر ہے جو قارون کے ٹھاٹھ باٹ پر رشک کرتے تھے۔

۷۶: سُوۡرَۃُ الۡقَصَص: [۲۸ – ۲۰: أَمَّنۡ خَلَقَ]

غالب تہذیبیں انسانی طبقات کو تقسیم کرتی ہیں

اس خطبے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ یہ تعظیم و توقیر کی مستحق کتابِ مبین کی آیات ہیں، ہم موسیٰ ؑ اور فرعون کے درمیان کش مکش کا مزید کچھ حال سناتے ہیں۔ تاریخِ انسانی میں حق و باطل کی آویزش کا یہ حصہ بڑا ہی انوکھا اور تعجب انگیز ہے۔ تاریخ کے اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد تاریخ کی ورق گردانی یا داستان گوئی کے ذوق کی تسکین نہیں ہے، قرآن خود بیان کرتا ہے کہ یہ بیان ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے ہے جو ایمان لانے پر مائل ہیں۔

> بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یہ کتابِ مبین طٰسٓمّٓ، میں الۡقَصَص کی آیات ہیں۔ اس میں ہم موسیٰ ؑ اور فرعون کی سرگزشت کا مزید کچھ حال ٹھیک ٹھیک تمھیں سُناتے ہیں، ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے جو ایمان لانے پر مائل ہیں۔ .... [مفہوم آیات ۱تا۳]

یوسف علیہ السلام کے بعد مصر پر طویل عرصے بنی اسرائیل حکم راں رہے لیکن اپنی نااہلی اور معاصی کی وجہ

سے اُن سے حکومت چھن گئی اور قبطی حکومت پر قابض ہو گئے[172] اور وہ بنی اسرائیل جن کو اللہ نے تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی ایک کم زور گروہ کی حیثیت سے قبطیوں کی غلامی میں آ گئے۔ قبطی فراعین اپنی خواہش کے مطابق جس طرح چاہتے انسانوں کے اس کم زور گروہ میں تصرف کرتے، جیسا کہ غالب قومیں مغلوب قوموں کے ساتھ کرتی ہیں، آج کے دور کے مسلمانوں کو اس کا خوب تجربہ اور اندازہ ہے، مگر احساس نہیں کیوں کہ غلامی حساس دل و دماغ چھین لیتی ہے اور اُس وقت کے بنی اسرائیلی بھی بالکل آج کے مسلمانوں کی مانند بے حس تھے۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ رحیم و کریم ہے، اُس کی رحمت جوش میں آئی اور اُس نے اپنی سنت کے مطابق فیصلہ کیا کہ فرعون کو اقتدار سے معزول کر دے، کیوں کہ وہ زمین میں تعمیری کردار ادا نہیں کر پا رہا تھا، انصاف کے مقابلے میں بگاڑ اور فساد زیادہ پھیلا رہا تھا اور اللہ کو فساد اور ناانصافی پسند نہیں ہے۔ اللہ نے فیصلہ کیا کہ جو کم زور لوگ دبا کر رکھے گئے تھے، اُن کو غلامی سے نجات دے اور اُنھیں حکومت کا وارث اور زمین پر لوگوں کا امام بنا دے۔

واقعہ یہ ہے کہ سر زمینِ مصر میں وہاں کا فرماں روا، فرعون بہت سر کش ہو گیا تھا اور اپنی حکومت کے استحکام کے لیے اُس نے ملک کے باشندوں کو طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اُس نے ان میں سے ایک گروہ کو کم زور بنا second grade citizen کر رکھا تھا، اُس کے بیٹوں کو قتل کرتا اور اُس کی بیٹیوں کو جیتا رہنے دیتا[173]، بے شک وہ مفسدین

---

۱۷۲ بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام ایک طویل عرصے دنیا پر حکم راں رہا اور خلافت کا ادارہ بھی جنگِ عظیم تک کسی نہ کسی طور برائے نام ہی سہی، چلتا ہی رہا لیکن مسلمانوں کی مستقل نااہلی اور تاویلات کے ذریعے ہر اُس نوع کی بیماری میں مبتلا ہو جانے سے جس میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے تھے بالآخر محمد ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن مجید کو کتابُ اللہ تسلیم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی سنت کا کوڑا برسا اور سیاسی، معاشی اور تہذیبی تمام نوع کے غلبے سے مسلمان محروم کر دیے گئے اور یہود و نصاریٰ اور ہنود اور سیکولر طاقتیں غالب آ گئیں، اگرچہ کہ مذکورہ طاقتوں نے سیاسی آزادیاں تو اپنی منصوبہ بندی اور مجبوریوں کے تحت عطا کر دی ہیں مگر مجموعی طور پر یہ اقتدار واپس حوالے کرنے کے لیے مسلم معاشروں سے اُن انسانوں کا انتخاب کیا گیا ہے جو آقاؤں کی تہذیب اور فکر و فلسفے کے اسیر ہیں، قرآن اسی طرح کے ایک بنی اسرائیلی فرد، قارون کا حال احوال آگے اسی سورہ میں بیان کرتا ہے۔

۱۷۳ فرعون [قبطی النسل] کو یہ خوف تھا کہ بنی اسرائیل اُس سے اپنی حکومت واپس چھین لیں گے، چناں چہ وہ اُن کے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرا دیتا تھا کہ کہیں اِن کے قابلِ جنگ مردوں کی تعداد زیادہ نہ ہو

میں سے تھا۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں دبا کر رکھے گئے ہیں اُن پر مہربانی کریں اور انھیں دین و دنیا کی امامت عطا کر دیں، اُنھی کو زمین کا وارث بھی بنائیں اور زمین کی وسعتوں میں اُن کو اقتدار بخشیں اور ان سے فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو وہی کچھ دِکھلا دیں جس کے ڈراونے خوابوں نے اُن کی زندگی حرام کی تھی۔ [مفہوم آیات ۴ تا ۶]

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

کس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں قوموں کو عروج و زوال دیتے ہیں اُس کا فلسفہ اور طریقِ کار بتانے کے بعد اب موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور قتل سے بچ جانے کے بعد فرعون کے محل تک پہنچنے کی سبق آموز داستان سُنائی جا رہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپ کو جننے کے بعد ایک صندوق میں رکھ کر اللہ کی ہدایت کے مطابق دریائے نیل میں ڈال دیا، جو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں بہتا ہوا شاہی محل کے قریب سے گزرا تو اولاد سے محروم فرعون اور اُس کی بیوی [174] نے صندوق میں رکھے ہوئے نومولود کو پالنے کے ارادے سے محل میں رکھ لیا۔ تقدیر کے مقابلے میں احتیاط کام نہیں آتی، بنی اسرائیلیوں کی جانب سے جس انقلاب کا خوف فراعین کو دامن گیر تھا، اُس انقلاب کے قائد کو اللہ نے اُن کے ہاتھوں میں دے دیا تاکہ وہ اسے پالیں پوسیں اور وہ اُن کی کفالت میں اُن کی نظروں کے سامنے شہزادوں کی مانند تربیت پائے۔ فرعون کو معلوم ہی نہیں تھا کہ لوحِ محفوظ میں کیا درج ہے۔

جب ایک بنی اسرائیلی خاتون کے ہاں ایک بیٹا [موسیٰ] پیدا ہوا تو ہم نے موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی کہ اِس کو دُودھ پلاؤ، پھر جب تجھے حکومت کے کارندوں سے اُس کی جان کا اندیشہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور کچھ بھی فکر و غم نہ کرنا، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لوٹائیں گے اور اس کو اپنے رسولوں میں سے بنانے والے ہیں۔ ہوا یوں کہ وہ نونہال دریا میں ڈالا گیا اور بے اولاد فرعون کے گھر والوں نے اسے دریا سے نکال لیا۔ ہم نے یہ انتظام کیا کہ اُن کا دشمن اور مستقبل میں اُن کے لیے سببِ رنج بننے والا اُنھی کے گھر میں پرورش پائے؛ بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے اہلِ لشکر سے اپنی تدبیر میں بڑی غلطی ہوئی۔ فرعون کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا: اسے قتل نہ کرنا، شاید کہ یہ میرے

جائے اور وہ اس ملک میں اقتدار اور غلبہ نہ حاصل کر لیں، اُس کے خیال میں حکومت واپس چھیننا لڑکیوں کے بس میں نہیں تھا۔

174 فرعون کی بیوی آسیہ بعد میں موسیٰؑ پر ایمان لائیں اور جلیل القدر مومنہ بنیں۔

اور تیرے لیے [بے اولاد میاں بیوی کے لیے] آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، کیا عجب کہ یہ ہم کو فایدہ پہنچائے، بلکہ ہم اسے بیٹا ہی بنالیں! —— وہ انجام سے بالکل بے خبر تھے۔ جب موسیٰؑ اپنی والدہ سے جدا ہو گئے تو ماں کا دل بے قرار ہو گیا۔ اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے کہ وہ اہلِ ایمان [۱۷۵] میں ثابت قدم رہے تو قریب تھا کہ وہ اپنی آہ وزاری سے بیٹا جننے کا راز فاش کر بیٹھتی، اُس نے بچے کی بہن سے کہا اس کے پیچھے پیچھے جا۔ چناں چہ وہ دور سے اُس کو چھُپ کر اس طرح دیکھتی رہی کہ فرعونیوں کو اِس نگرانی کا پتا تک نہ چلا۔ .... [مفہوم آیات ۷ تا ۱۱]

اب اس واقعے کا انوکھا ترین حصہ سامنے ہے جو ہمیں خود اللہ رب العالمین بتا رہے ہیں اور اس واقعے کی صداقت پر مسلم، نصاریٰ اور یہود پر مشتمل دنیا کی تین چوتھائی انسانوں کی آبادی یقین و ایمان رکھتی ہے۔ یہ موسیٰؑ اور اُن کی والدہ پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ اُس نے موسیٰؑ کو کسی بھی عورت کا دودھ پینے سے روک دیا۔ چناں چہ وہ موسیٰؑ پر ترس کھاتے ہوئے اُن کو بازار میں لے آئے تاکہ کوئی اسے تلاش کرتا ہوا آجائے۔ موسیٰؑ اس حال میں تھے کہ اُن کی بہن آئی اور اُن کو ایک گھر کی راہ سجھائی جہاں بچہ خوش رہے گا اور اُس کی دیکھ بھال بھی اچھی ہو گی، چناں چہ موسیٰؑ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا گیا اور ویسا ہی ہوا جیسا اُس سے اللہ نے وعدہ کیا تھا۔

اور ہم نے بچے پر پہلے ہی دُودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر رکھی تھیں، سو بچے نے کسی دودھ پلانے والی کو منہ لگانا پسند ہی نہ کیا اور دودھ کے لیے بے قراری کا اظہار ہی کرتا رہا۔ یہ حالت دیکھ کر اُس کی بہن نے اُن سے کہا کیوں نہ میں آپ کو ایک ایسے گھر والوں کا پتا دوں جس کے لوگ آپ کے لیے اس کو پالیں اور بڑی خیر خواہی سے دیکھ بھال بھی کریں؟ اس طرح ہم نے موسیٰؑ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگیں نہ

---

۱۷۵ پہلی بات یہاں اُس خاتون کے ایمان کی نوعیت کو جاننا چاہیے: وہ اللہ کی جانب سے بچے کے لوٹائے جانے کے وعدے پر یقین و ایمان میں ثابت قدم رہی، یا ممکن ہے کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ابھی تک صحیح دین، دینِ یعقوب و ابراہیم علیہما السلام پر قایم تھے اور موسیٰؑ کی والدہ بھی اُن میں یکے از اہلِ ایمان تھیں۔ دوسری بات یہ کہ جب مومن پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ اُس پر ثابت قدم اور صابر رہتا ہے تو اِس روّیے سے اُس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور یہی بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصیبت کے وقت ہمیشہ بے صبری کا مظاہرہ کرنا ایمان کی کم زوری کی علامت ہے۔ اللہ کی جانب سے وحی کے مطابق نومولود کو صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کرنا خاتون کے ایمان کی علامت تھی اور باوجود اللہ نے اُس کو ہدایت کی تھی کہ کچھ بھی فکر و غم نہ کرنا، ہم اسے تیرے ہی پاس واپس لوٹائیں گے، اُس کا فکر و غم بتقاضائے بشری تھا۔

رہے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا، مگر اکثر لوگ اس معاملے کو نہیں جانتے۔ ع ..... [مفہوم آیات ۱۲ تا ۱۳]

موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے نکلنا

وقت گزرتا چلا گیا، موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس شاہی ماحول میں نشوونما اور تربیت پاتے ہوئے ذہنی اور جسمانی درجہ کمال کو پہنچ گئے۔ اپنی شکل وشباہت کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کا نسب اب مشہور ہو چلا تھا، لوگوں کو علم تھا کہ وہ بنی اسرائیلی ہیں۔ آپ شاہی محل میں پلنے اور بڑے ہونے کے باعث دار السلطنت میں شہزادوں کی سی اہمیت اور منصب واختیارات رکھتے تھے، یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی، قارون جو ملک کا سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا اور اقتدار وحکومت میں فرعون کا بلند پایہ شریکِ امور تھا، ایک بنی اسرائیلی فرد ہی تھا۔ قابض اور سامراجی حکومتیں ہمیشہ غلام قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے درمیان ضرور بڑے مناصب اور خطابات عطا کرتی ہیں، چند دہائیاں قبل برِ صغیر میں انگریزی تسلّط کے طرزِ حکم رانی سے یہ بات عیاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے منصوبے اور زمانے کے لیے مقرر تقدیر کے مطابق اب وہ وقت آ گیا جب موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے اور بنی اسرائیل کو آزادی ملنے کے عوامل کو کام شروع کرنا تھا:

جب موسیٰؑ مکمل جوان ہوا اور اُس کی نشوونما مکمل ہو گئی تو ہم نے اُسے دانشِ قیادت اور علم عطا کیا، ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ ایک دن جب کہ اہلِ شہر نیند کی غفلت میں تھے۔ وہ شہر میں داخل ہوا، تو اُس نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک اُس کے اپنے گروہ کا تھا اور دُوسرا اُس کے دشمن گروہ سے تعلق رکھتا تھا[۱۷۶]۔ اُس کے اپنے گروہ کے آدمی نے دشمن گروہ والے کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ موسیٰؑ نے اسرائیلی کی مدد کرنے کے لیے اُس دشمن شخص کو گھونسا مارا، ناگہاں جس نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ حادثہ ہوتے ہی تاسّف سے موسیٰؑ کی زبان سے نکلا: یہ تو شیطان کا کام ہے، بے شک وہ کھلا گمراہ کرنے والا سخت دشمن ہے۔ اظہارِ ندامت کے ساتھ معافی کے لیے موسیٰؑ نے یوں دعا کی: اے میرے ربّ، میں نے اپنی جان پر ظلم ڈھایا، تو مجھے معاف فرما دے۔ چناں چہ اللہ نے اُس کو معاف فرما دیا، بے شک وہ مغفرت فرمانے والا اور رحیم ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی: اے میرے رب! چوں کہ تُو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے، تو میں عہد کرتا ہوں کہ میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا[۱۷۷]۔ [مفہوم آیات ۱۴ تا ۱۷]

---

۱۷۶ اپنا گروہ یعنی بنی اسرائیلی اور دشمن گروہ سے مراد قبطی ہیں۔

۱۷۷ اس آیۂ کریمہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بندے سے نیکی کرنے اور بُرائی ترک کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ علما ومفسرین نے اس آیت سے یہ مسئلہ [اصول] بھی جانا ہے کہ حکومت کے کسی عہدے

جب موسیٰؑ کے ہاتھوں دشمن گروہ [قبطی] کے آدمی کا قتل ہو گیا تو اُنھیں اس بات کا اندیشہ دامن گیر رہا کہ اس کی اطلاع اعیانِ حکومت کو نہ ہو جائے اور اُنھوں احتیاط سے اپنی سر گرمیوں کو ترتیب دیا۔ دوسرے دن اُسی بنی اسرائیلی کو پھر ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور اُس نے پھر آپ کو مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے اپنی قوم کے بنی اسرائیلی کو ملامت کی کہ تُو تو شریر لڑاکا معلوم ہوتا ہے [روز ہی لڑتا رہتا ہے]، اس ڈانٹ کے ساتھ آپ آگے بڑھے کہ بیچ بچاؤ کرا کے جھگڑا ختم کریں، مگر بنی اسرائیلی ڈانٹ کھا کر یہ سمجھا کہ آج تو مُکا اُس کو پڑے گا، اُس نے قبطی کے سامنے ہی یہ چیخ کر راز فاش کر دیا کہ: اے موسیٰؑ، کیا آج تم مجھے قتل کرنے لگے ہو، جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا! یوں قبطی کو معلوم ہو گیا کہ کل مارے جانے والے اُس کے بھائی کا قاتل کون ہے۔ راز فاش ہو گیا، بات فرعون کے اعیانِ حکومت تک پہنچ گئی اور وہ موسیٰؑ کو قتل کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اب اس ساری تفصیل کو اگلی آیات میں ملاحظہ فرمائیے۔

> موسیٰؑ دوسرے دن اُسی طرح صبح سویرے ڈرتا اور پھونک پھونک کے قدم بڑھاتا ہوا شہر میں جا رہا تھا تو دیکھا کہ وہی شخص جو گزشتہ روز مدد کا طالب ہوا تھا آج پھر اُسے مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا: تم خود ایک کھُلے شریر آدمی نظر آتے ہو۔ پھر جب موسیٰؑ نے ارادہ کیا کہ پکڑے دشمن گروہ کے آدمی کو تو مدد کے لیے پکارنے والا، موسیٰؑ کے گروہ کا لڑاکا اور بے وقوف آدمی چیخا: اے موسیٰؑ، کیا آج تُم مجھے قتل کرنے لگے ہو، جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا! تم اس ملک میں ایک جبّار بننے کا ارادہ رکھتے ہو، تم کوئی اصلاح نہیں کرنا چاہتے۔ یوں سرِ بازار اُس نے اس بات کا اعلان کر دیا جو اب تک پوشیدہ تھی۔ ....[مفہوم آیات ۱۸ تا ۱۹]

پر فائز ہو کر حکومت کی ظالمانہ اور مجرمانہ کاروائیوں میں بر بنائے عہدہ مجبوراً [نوکری چلی جانے کے ڈر سے] مدد کرنا بھی جرم ہے۔ تفہیم القرآن میں اس آیت کے حاشیہ [سورہ قصص حاشیہ ۲۶] میں تحریر ہے:

"موسیٰؑ کا یہ عہد بہت وسیع الفاظ میں ہے۔ اس سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ میں کسی مجرم فرد کا مدد گار نہیں بنوں گا، بلکہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ میری امداد و اعانت کبھی ان لوگوں کے ساتھ نہ ہو گی جو دنیا میں ظلم و ستم کرتے ہیں۔ ابن جریر اور متعدد دوسرے مفسرین نے اس کا یہ مطلب بالکل ٹھیک لیا ہے کہ اسی روز سیّدنا موسیٰؑ نے فرعون اور اس کی حکومت سے قطع تعلق کر لینے کا عہد کر لیا، کیونکہ وہ ایک ظالم حکومت تھی اور اس نے خدا کی زمین پر ایک مجرمانہ نظام قائم کر رکھا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کسی ایمان دار آدمی کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ظالم سلطنت کا کل پُرزہ بن کر رہے اور اس کی حشمت و طاقت میں اضافے کا موجب بنے۔"

اسی اثنا، موسیٰؑ کا خیر خواہ ایک مردِ صالح شہر کے دوسرے سرے سے بھاگتا ہوا آیا اور موسیٰؑ کو بتایا: حکومت کے عہدے دار تیرے قتل کے لیے مشورے کر رہے ہیں، یہاں سے نکل جا، میں تیرا بھلا چاہتا ہوں۔ یہ خبر سُنتے ہی موسیٰؑ ہشیاری سے ڈرتا اور چھپتا چھپاتا ملک سے باہر مدین [۱۷۸] کی جانب روانہ ہو گیا اور اُس نے دُعا کی کہ اے میرے ربّ، مجھے ظالموں کے گروہ سے نجات دے۔ .... [مفہوم آیات ۲۰ تا ۲۱]

موسیٰ علیہ السلام کا مدین پہنچنا

کسی طور طویل سفر کے بعد موسیٰ علیہ السلام حدودِ مصر سے نکل کر مدین جا پہنچے۔ اجنبی علاقہ اور بے سامانی اپنی جگہ مگر آپ کی حالت پھٹے حال بے کس مسافروں یا مزدوروں جیسی نہ تھی، آپ شاہی محل سے جیسے کچھ بھی ہو سکتے ہوں گے عمدہ کپڑوں میں نکلے تھے اور شان دار جسمانی طاقت اور مردانہ حسن و وجاہت کے پیکر تھے۔ اُس اجنبی علاقے میں انھیں رحم کھا کے دو کم زور خواتین کی دوپہر کی کڑی دھوپ میں اُن کے جانوروں کو پانی پلانے میں مدد کرنے کا موقع ملا، جس کے بعد ایک سایہ والی جگہ میں بیٹھے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ کہ اے پروردگار! تیری جانب سے بھلائی کی شدید ضرورت اور توقع رکھتا ہوں، جو بھی آپ عطا فرما دیں۔

مصر سے نکل کر جب موسیٰؑ نے مدیَن کا رُخ کیا تو اُس نے دعا کی: اُمید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر لے چلے گا، اور جب وہ سرحدِ مدیَن پر واقع ایک کنوئیں پر پہنچا تو اُس نے ایک بھیڑ دیکھی، لوگ جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اور اُن سے دور ہٹ کر دو خواتین اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روکے کھڑی تھیں۔ موسیٰؑ نے ان سے پوچھا: تمھیں کیا پریشانی ہے کہ اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتی ہو؟ انھوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو اُس وقت تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے لوٹ نہ جائیں، اور ہمارے والد بہت بُوڑھے ہیں۔ یہ سُن کر موسیٰؑ نے اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر سائے میں جا بیٹھا اور دعا کی: اے پروردگار، جو بھلائی بھی تُو مجھے عطا کرے میں اس کا شدید ضرورت مند ہوں۔ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ .... [مفہوم آیات ۲۲ تا ۲۴]

موسیٰ علیہ السلام کی شادی اور مدین میں طویل قیام

خواتین نے موسیٰؑ کے حُسنِ اخلاق اور عزتِ نفس کو اُن کے طور طریقوں سے محسوس کر لیا تھا، گھر جا کر

---

۱۷۸ مدین جنوبی فلسطین میں واقع ہے جہاں فرعون کی حکومت کی عمل داری نہ تھی۔

علاقے میں موجود ایک عمدہ شریف النفس جوان کا تذکرہ اپنے والد سے کیا، جس نے اُن کی مدد کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دو خواتین میں سے ایک اپنے والد کے حکم سے واپس اُن کے پاس آئی، جس کا قرآن تذکرہ کرتا ہے کہ 'شرماتی ہوئی آئی'۔ مزدور قسم کے لوگوں سے، ہم جانتے ہیں کہ شرمایا نہیں جاتا۔ بہتر اور ہم پلہ مردوں ہی سے خواتین حیا کرتی اور شرماتی ہیں۔ اگلی آیات میں ان واقعات کا تذکرہ دیکھیے:

> تھوڑی ہی دیر میں اُن دونوں خواتین میں سے ایک شرماتی ہوئی آئی اور کہا کہ میرے والد آپ کو بُلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت آپ کو دیں۔ موسیٰ ؑ اُس کی طرف چلے، جب وہاں پہنچے اور اپنا سارا ماجرا سُنایا تو اُس مردِ شریف [۱۷۹] نے دل جوئی کی: اب کچھ فکر نہ کرو، تم نے ظالموں سے نجات پالی ہے۔ ....[مفہوم آیت ۲۵]

آپ غور فرمایئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ابھی دعا کی ہے اور فوراً ہی قبولیت کے آثار نکل آئے۔ خواتین میں سے ایک نے اپنے والد سے اِن کو اپنے یہاں ملازم رکھنے کی درخواست کی اور کہا کہ یہ آپ کی بکریاں چرائیں گے اور اُنھیں پانی بھی پلائیں گے۔ لیکن صاحبِ مدین نے انھیں ایک دوسری پیش کش کی جو کہ زیادہ بہتر تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے زیادہ پسندیدہ بھی، جو انھوں نے قبول کرلی۔

> ان میں سے ایک بیٹی نے کہا: ابّا جان، اِن کو ملازم رکھ لیجیے، ملازم وہی بہترین آدمی ہو سکتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ اُس نے موسیٰ ؑ سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی اِن دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمھارے ساتھ اس معاہدے پر کردوں کہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو اور اگر دس سال پُورے کردو، تو یہ تمھاری طرف سے عطیہ ہوگا۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم انشاءَ اللہ مجھے ایک شریف آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ ؑ نے جواب دیا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدّتوں میں سے جو بھی میں پُوری کروں اُس کے بعد پھر کوئی زبردستی مجھ پر نہ ہوگی، اور جو کچھ معاہدہ ہم کر رہے ہیں اللہ اُس پر گواہ ہے۔ ....[مفہوم آیات ۲۶ تا ۲۸]

---

۱۷۹ یہ صاحب، اِن دو خواتین کے والد یا کہیے کہ صاحبِ مدین، وہ شعیب علیہ السلام نہیں ہیں، جو معروف نبی ہیں، جیسا کہ یہ مشہور بات ہے، مگر بالکل غلط ہے؛ یہ ایک بے دلیل بات ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مدین، شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی سسرال بھی یہی شہر بنا۔ اگر یہ صاحب اللہ کے نبی ہوتے تو وہ اس کا ذکر ضرور فرماتے، نبی اپنے آپ کو چھپاتے نہیں بلکہ ہر موقع پر اپنی دعوت اور منصب کا اعلان کرتے ہیں، مزید یہ کہ خواتین بھی اس بات کا ذکر کرتیں۔

یہاں تک اس قصے میں جو بات پوشیدہ ہے اور اہلِ مکہ کو سمجھائی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ جب ایک کام کا ارادہ کرلیتا ہے تو اس کے لیے اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں، تمھارا یہ اعتراض اور سوچنا کہ یہ بے مال و جایداد شخص محمدؐ، جو پیدا ہی یتیم ہوا، جو نہ کسی قبیلے کا سردار ہے آخر کیوں کر اتنا معزز ہوا کہ اللہ نے اُس کو نبی بنالیا اور پھر تمھارا مطالبہ کہ اس کو وہ معجزے اور ویسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی، بالکل مناسب نہیں دیکھو موسیٰؑ تو ایک ایسی قوم میں پیدا ہوئے جس کو ظالموں نے غلام بنالیا تھا، اُن کے بیٹوں کو قتل کرتے اور بیٹیوں کو چھوڑ دیتے تھے، لیکن پھر بھی موسیٰؑ بچ نکلے، اور نہ صرف بچ نکلے بلکہ شاہی محل میں پرورش پائے۔ پھر ایک قتل کیا اور بچتے بچاتے مدین جا نکلے وہاں اللہ نے اُن کی کس طرح مدد کی کہ شان نہ گمان، سوچو اور یقین کرلو کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر آن اپنے منصوبے، افراد اور قوموں کی جو تقدیر اُس نے بنائی ہے اُن کی تکمیل اور نفاذ کے لیے وہ مسبب الاسباب ایک سلسلہ اسباب پیدا کرتا ہے، اُس کے کاموں پر تمھارے اعتراضات نا روا ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو مصر واپسی کے سفر میں نبوت ملنا

موسیٰ علیہ السلام کے دل میں وطن واپسی کا خیال مچلا ہوگا، اُنھیں اپنے والدین اور گھر والے یاد آئے ہوں گے اور یہ امید پیدا ہوئی ہوگی کہ میری غلطی پر اب جذبات اتنے گرم نہیں ہوں گے اور صلح کی کوئی شکل نکل آئے گی، آخر کو محل شاہی میں بھی اُن سے محبت کرنے والے لوگ تھے۔

> جب موسیٰؑ نے مدّت پوری کردی اور اپنے گھر والوں کو لے کر مصر کی جانب روانہ ہوا تو کوہِ طُور کی جانب اُسے ایک آگ سی نظر آئی، ایسے موقع پر جب راستہ بھی اُن سے کھو گیا تھا اور موسم بھی سرد تھا، اُس نے اپنے گھر والوں سے کہا: میں نے ایک آگ دیکھی ہے، تم لوگ یہاں ٹھہرو، شاید میں وہاں سے راستے کی کوئی خبر لے آؤں یا اُس آگ سے کوئی انگارا ہی اُٹھالاؤں جس سے تم گرمائی حاصل کرسکو۔.......................... [مفہوم آیت ۲۹]

یہ واقعے کا نقطہ عروج [climax] ہے، آگ لینے جاتے ہیں اور نبوت مل جاتی ہے؛ دو معجزے عطا ہوتے ہیں، پہلا عصا کا سانپ بن جانا، جس کے پہلی مرتبہ مشاہدے سے خود موسیٰؑ خوف کھا جاتے ہیں اور دوسرا بغل سے نکلنے پر آپ کے ہاتھ کا بالکل سفید اور چمکتا ہوا بن جانا۔

> جب وہ وہاں پہنچا، مبارک خطّے میں، وادی کے داہنے کنارے پر ایک درخت سے اُس کو آواز دی گئی: اے موسیٰؑ، میں ہی اللہ ہوں، سارے جہاں والوں کا مالک، اور تم ذرا اپنی لاٹھی زمین پر ڈالو، جوں ہی موسیٰؑ نے لاٹھی ڈالی تو دیکھا کہ

وہ تو سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہے، تو وہ خوف سے پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اُس نے مڑ کے بھی نہ دیکھا۔ اللہ نے پکارا: موسیٰؑ، سامنے آؤ اور خوف نہ کھاؤ، تُم بالکل محفوظ ہو۔ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو، وہ بالکل سفید نکلے گا بغیر کسی مرض کے۔ اور خوف سے بچنے کے لیے اپنا بازو بھینچ لو۔ یہ تیرے رب کی طرف سے دو نشانیاں ہیں فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس لے جانے کے لیے، بے شک وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔۔ [مفہوم آیات ۳۰ تا ۳۲]

کہاں موسیٰؑ اس امید پر مصر واپس جا رہے ہیں کہ اُن کی خطا کو لوگ بھول کر اُنھیں قبول کرلیں گے اور کہاں یہ بھاری ذمے داری کہ وہ فرعون کے پاس جائیں اور اُسے ظلم سے باز رہنے کے ساتھ رب العالمین کے آگے سر جھکانے کے لیے کہیں۔ وہ تو خود رب بنا بیٹھا تھا وہ کیوں کر رب العالمین کی کبریائی کے آگے سر جھکائے گا۔ انسانوں کو تو اُس نے اپنا بندہ بنا کر رکھا تھا وہ کیوں کر لوگوں کو اپنی بندگی سے نکل کر الٰہ واحد کی بندگی میں جانے دے گا! اُنھیں اپنی گفتگو میں بھی وہ کمال حاصل نہیں تھا جو ایسے کاموں کے لیے درکار ہوتا ہے۔ اُنھوں نے چاہا کہ یہ گراں بار ذمے داری اُن کے بجائے اُن کے بھائی ہارونؑ پر ڈال دی جائے، مگر اللہ کے یہاں فیصلے تبدیل نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے کہا ٹھیک ہے تم کو تو جانا ہی جانا ہے اپنی مدد کے لیے ہارون کو بھی لے جاؤ، تم دونوں جاؤ، اُنھیں ہماری نشانیاں دکھاؤ، وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ہم تمھارا رعب اور دبدبہ اُن کے دلوں میں بٹھا دیں گے اور آخر کار تمھیں اور تمھارے پیروکاروں کو زمین پر غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ دیکھیے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی تو رستے میں ہیں، قتل کی خطا کندھوں پر ہے، تنہا ہیں، ہارون علیہ السلام بھی ساتھ نہیں ہیں، لیکن کتنا بڑا وعدہ ہے، دنیا میں تمکنت اور حکومت کا!!

غور کیا جائے، یہی بات اللہ کے اِذن سے محمد ﷺ بھی اہلِ مکہ سے کہہ رہے تھے کہ ایک دن یہ دین اور اِس کے پیروکار پورے عرب اور عجم میں غالب آ جائیں گے۔ اگر تم اس کو قبول کر لو تو یہ تمھاری خوش نصیبی ہو گی۔ موسیٰؑ کے واقعے کے تناظر میں یہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ اگر اللہ کے کلمے کو لے کر کھڑے ہونے سے ایک کم زور اور غلامی میں جکڑی قوم دنیا میں غالب آسکتی ہے تو اے قریش کے نادانو، کیوں گھر آئی خوش بختی کو ضائع کرتے ہو!

موسیٰؑ نے کہا: اے رب، میں نے تو اُن کا ایک آدمی قتل کیا ہے، مجھے خوف ہے کہ وہاں میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ بہتر گفتگو اور مباحثے کا فن جانتا ہے، اُن کو بھی میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج تاکہ وہ

میری تائید کریں، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ فرمایا گیا: ٹھیک ہے ہم تمھارے بھائی کو تمھارے لیے قوتِ بازو بنائیں گے اور تم دونوں کو وہ خصوصی رعب و دبدبہ عطا کریں گے کہ وہ تم پر ہاتھ نہ اُٹھا سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کی موجودگی میں تمھیں اور تمھارے پیروکاروں کو ہی فتح حاصل ہوگی۔.. [مفہوم آیات ۳۳تا۳۵]

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں

اس بارِ نبوت کے ساتھ آپ واپس مصر آجاتے ہیں اور اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر بے خوف و خطر فرعون کے دربار میں پہنچتے ہیں، آپ وہیں پلے بڑھے تھے آپ کے لیے رسائی مشکل نہ تھی۔ جس کی مٹھی میں دل ہیں، جو دل میں اُٹھنے والے جذبات اور دماغ میں اُٹھنے والی سوچ کی لہروں کو کنٹرول کرتا ہے، اُس اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا رعب اُن کے دلوں میں ایسا ڈال دیا کہ سزائے موت اور قید و بند تو کجا اُن کی زبانیں بھی بحث و گفتگو کے قابل نہ رہیں اور اعتماد اور دلیل سے محروم رہیں۔ فرعون کو رسولوں کی یہ جسارت بڑی ناگوار گزری کہ اُس کی خدائی کو اُس کے احمق اور کم زور بندوں [اہلِ دربار] کے سامنے دنیاوی اعتبار سے دو کم حیثیت لوگوں نے ببانگِ دہل چیلنج کر دیا۔

اہلِ دربار کو جب موسیٰؑ نے اپنی رسالت کی نشانیاں دکھائیں اور رب العالمین کی عبادت و اطاعت کی دعوت دی تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کیے گئے رعب اور اُن کے قلب و ضمیر میں ڈالی گئی صداقت کی گواہی موجود تھی مگر انسانوں کا نفس آسانی کے ساتھ لذتوں اور اقتدار سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا [یہی معاملہ سردارانِ قریش کا تھا] فرعون اور اُس کے درباری کیوں کر اپنی ایک محکوم قوم کے دو دنیاوی لحاظ سے بے حیثیت لوگوں کی اطاعت اور دعوت قبول کرتے۔ اُنھوں نے اِن نشانیوں کو جادو کی کارستانی قرار دیا، بعینہٖ رسول اللہ ﷺ کو متفقہ طور پر دارالندوہ کی میٹنگ میں قریش نے جادوگر قرار دیا تھا، اگرچہ کہ نبی ﷺ نے کوئی خرقِ عادت ایسا معجزہ نہیں دکھایا تھا مگر دلوں کو موہ لینے والا اور قائل کر دینے والا بے نظیر عربی کا شاہ کار قرآن اور آپ کے متبعین کی دینِ اسلام کی خاطر ہر طرح کے ایثار پر آمادگی ہی اُن کی نظر میں جادو کے کرشمے تھے۔

چشمِ تصور میں قریشِ مکہ کو دربارِ فرعون میں واپس لے چلیے اور دیکھیے کہ رسولوں اور اہلِ دربار میں کیا مکالمہ ہو رہا ہے اور اللہ کے فیصلے کس طرح نافذ ہوتے ہیں، تاکہ وہ جان لیں کہ فراعین کو غرقاب کرنے والا اللہ اِن سردارانِ قریش کو بھی ذلیل کرے گا۔ چشمِ فلک نے دیکھا تھا کہ فرعون اور اُس کا سارا لاؤ لشکر اس طرح تمام کا تمام غرقِ آب ہوا تھا کہ کوئی رونے والا نہ بچا مگر سردارانِ قریش تو میدانِ بدر میں اس طور ذلّت کی موت مارے گئے

کہ بچ جانے والے مشرکین کو ماتم سے رسوائی [اعلانِ شکست] کی وجہ سے ماتم پر پابندی لگانی پڑی۔ اس رسوائی اور مکے میں ماتم پر پابندی پر ہم نبوت کے تیرہویں سال میں گفتگو کریں گے۔ چلیے، دیکھیں کہ دربار فرعون میں کیا ہو رہا ہے!

> پھر جب موسیٰؑ اُن [فرعونیوں] کے پاس ہماری واضح نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ نشانیاں، ایک فن کاری بھرے جادو کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ اور یہ باتیں جو تم بیان کر رہے ہو، وہ تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں بھی کبھی نہیں سُنیں۔ موسیٰؑ نے جواب دیا: میرا رب اُس شخص کو [یعنی موسیٰ کو] خوب جانتا ہے جو اللہ کی طرف سے تمھارے لیے ہدایت لے کر آیا ہے اور جس کے لیے [یعنی اللہ کے فرستادہ، موسیٰ کے لیے] آخرت کے گھر کا اچھا ہونا طے شدہ ہے، بے شک ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔ فرعون نے کہا: اے اہلِ دربار! میں تو اپنے سوا تمھارے کسی اِلٰہ [۱۸۰] سے واقف نہیں ہوں۔ اے ہامان! ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لیے ایک اونچا محل تو بنوا، کہ میں موسیٰؑ کے اِلٰہ کو جھانک کر دیکھ سکوں، میں تو اسے بالکل جھوٹا سمجھتا ہوں۔..................... [مفہوم آیات ۳۶ تا ۳۸]
>
> فرعون نے اور اُس کی افواج نے زمین میں بغیر کسی دلیل اور حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور خیال کیا کہ انھیں

---

۱۸۰ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جو الفاظ قرآن میں نقل کیے ہیں وہ اِلٰہ کے ہیں [وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَآاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ] ۔ فرعون اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ اُس کی حدودِ سلطنت محدود ہیں اور وہ نہ تو زمین، آسمان، چاند اور سورج کا بنانے والا ہے اور نہ ہی ہواؤں کا چلانے اور بارشوں کا برسانے والا، اور نہ ان پر کوئی اختیار رکھتا ہے۔ چناں چہ اِلٰہ سے مراد یہاں محض واجب الاطاعت ہستی کے ہیں، جس کی بے قید، بلا چون وچرا اطاعت کی جائے، چاہے مراسمِ عبودیت سرے سے انجام ہی نہ دیے جائیں؛ جب بھی کوئی فرد یا قوم اپنے لیے اس طرح اطاعت کا کسی طور پر کسی بھی زبان میں، زندگی کے کسی بھی دائرے میں مطالبہ کرے تو وہ گویا اُسی فرعونی دعوے کو دہرا رہی ہوتی ہے، اور ایک نوع کی خدائی کی دعوے دار طاغوت بن جاتی ہے؛ آج کے دور [آغاز اکیسویں صدی عیسوی] میں یو ایس اے کا ساری حکومتوں اور سارے معاشروں سے اسی نوع کا مطالبہ ہے!——— اسی نوع کی بے قید، بلا چون وچرا اطاعت کا مطالبہ مذاہب میں اکثر اوقات مذہبی رہ نما [احبار، رہبان، پنڈت، پیر، مولوی وغیرہ] اپنے ماننے والوں سے کرتے ہیں! یہ سب لوگ، اس نوع کا مطالبہ اگر کریں تو قرآن کی زبان میں اِلٰہ یا ارباب من دون اللہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی نبی بھیجے اور خاتم النبیین ﷺ کو بھیجا اُن کا پہلا اور بنیادی مطالبہ یہی تھا کہ ایسے سارے من دون اللہ، الوہیت اور ربوبیت کے جھوٹے دعوے داروں کی اطاعت کا انکار کیا جائے، لاالٰہ الااللہ۔

کبھی ہماری طرف پلٹنا ہی نہیں ہے۔ جب وہ اپنی روش پر جمے رہے تو انجامِ کار ہم نے اُسے اور اُس کی افواج کو پکڑا اور سمندر میں غرق کر دیا۔ تو دیکھو، اُن ظالموں کا کیسا انجام ہوا! ہم نے اُن کو دنیا میں نارِ جہنّم کی طرف دعوت دینے والوں کا امام بنا دیا اور قیامت کے دن اُن کی کوئی مدد نہ ہو گی۔ ہم نے اُنھیں رہتی دنیا تک کے لیے لعنت زدہ بنا دیا اور قیامت کے روز وہ بڑی ذلّت سے دوچار ہوں گے۔..........................[مفہوم آیات ۳۹ تا ۴۲]

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا یہ بیان رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل ہے

موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت کے ایک حصے کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں اصل موضوع پر براہ راست گفتگو فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا بیان رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک دلیل ہے۔

کہا جا رہا ہے کہ اے محمدؐ، تم نہ مدین میں تھے، نہ تم کوہِ طور پر اُس وقت موجود تھے جب پہلی مرتبہ موسیٰؑ کو نبوت ملی اور نہ ہی تم اُس وقت موجود تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو شریعت عطا کی تھی، تمھارے پاس ان معلومات کے حاصل ہونے کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس کی تمھارے مخالفین نشان دہی کر سکیں۔ تم کہاں سے یہ ساری تفصیلات حاصل کر کے سُنا رہے ہو؟ اس بات کا اس کے سوا کیا جواب ہے کہ اللہ تمھیں سناتا ہے، تم اللہ کے پیغمبر ہو، موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا یہ بیان اور اسی طرح گزشتہ تاریخ کی ساری تفصیلات جن کی اہلِ کتاب کے اہلِ علم بھی تصدیق کرتے ہیں رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل ہے، اس کتاب سے قبل بنی اسماعیل میں رسالت طویل عرصے سے معروف نہیں تھی۔ اب یہ اللہ کا سچا رسول اِن کے درمیان اللہ کی کتاب تلاوت کر رہا ہے اِنھیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔

سابقہ نسلوں کو ہلاک کرنے کے بعد لوگوں کے لیے بصیرتوں کا وسیلہ بنا کر ہم نے موسیٰؑ کو کتابِ ہدایت [تورات] اور رحمت عطا کی[181]؛ شاید کہ لوگ اُس سے رجوع الی اللہ کی یاد دہانی حاصل کریں۔ اے محمدؐ! نہ تو تم اُس وقت کوہِ طور کے مغربی حصے میں موجود تھے جب ہم نے موسیٰ کو کتابِ شریعت عطا کی، اور نہ تم لوگوں کے اُس گروپ میں تھے جو وہاں موجود تھا، بلکہ اُس تنزیلِ کتاب کے بعد تو اِس وقت تک ہم کتنی ہی نسلیں پیدا کر کے واپس اُٹھا چکے ہیں ؛ اور اُن پر بہت زمانہ گزر چکا ہے۔ تمھارا وقت اہلِ مدین کے درمیان بھی نہیں گزرا کہ اُن کو جب

---

۱۸۱ رحمت سے مراد یہ ہے کہ نزولِ تورات کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوموں کی ہلاکتِ عامہ کی سزا ختم کر دی اور کفار کے خلاف جہاد بالسیف شروع ہو گیا۔

ہماری آیات سُنائی گئیں تم اُس کے چشم دید گواہ ہوتے، مگر اے محمدؐ بات یہ ہے کہ ہم تم کو رسول بنانے والے تھے، اس لیے پرانے وقتوں کی یہ خبریں تم تک بھیجنے والے ہم ہیں؛ اور تم طُور کے دامن میں اُس وقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰؑ کو پہلی بار پکارا تھا، مگر یہ تمھارے رب کی رحمت ہے کہ تم کو ان واقعات سے آگاہ کیا جارہا ہے تاکہ تم اُن لوگوں کو ہوشیار کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہوشیار کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہوش میں آئیں۔......

.... [مفہوم آیات ۴۳تا۴۶]

موسیٰ علیہ السلام کی سر گزشت کے تناظر میں اہلِ مکہ کو دعوتِ ایمان

اگلی آیات میں آپؐ کے نبی بنائے جانے کو قریش کے حق میں اللہ کی ایک رحمت قرار دیا جارہا ہے کہ قریش گم راہی میں مبتلا تھے اور اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کو سیدھی راہِ ہدایت دکھانے کا انتظام کر دیا۔

اور ہم نے یہ رسول اس لیے مبعوث کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ [اہلِ مکہ] اپنی بداعمالیوں کے سبب جب مصیبت میں مبتلا ہوں تو کہیں: اے ہمارے رب، تُونے ہماری طرف کوئی رسُول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور اہلِ ایمان میں سے ہوتے۔............................ [مفہوم آیت ۴۷]

موسیٰؑ کی سر گزشت کی تفصیل سے یہ بات عیاں ہے کہ معجزے دیکھ کر منکرین اپنی بڑائی کے گھمنڈ سے نہیں نکلتے۔اب قریش کے اس اعتراض کا کیا جواز ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ معجزے کیوں نہ لایا جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ ان سے ایک بڑا معقول سوال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام، جن کا تم حوالہ دے رہے ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے معجزے لائے تھے، کیا تم اُن کو نبی تسلیم کرتے ہو؟ کیا تم تورات کو تسلیم کرتے ہو؟ معجزے لانے والے کو تم نے کب مانا ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزے کے طالب ہو؟

مگر اب جب ہماری طرف سے حق [ہدایت اور کتاب] اِن کے پاس آگیا ہے تو یہ اعتراض کرتے ہیں: کیوں نہ محمدؐ کو وہی [یا اُس جیسی دوسری] نشانیاں دی گئیں جیسی موسیٰؑ کو دی گئی تھیں؟ کیا اِن جیسے لوگ اُن نشانیوں کا انکار نہیں کر چکے ہیں جو پہلے موسیٰؑ کو دی گئی تھیں؟ انھوں نے تو کھلی نشانیوں کو دیکھ کر کہا تھا: یہ موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں ہی جادو گر ہیں جنھوں نے گٹھ جوڑ کر رکھا ہے، ہم کسی کو نہیں مانتے۔.................... [مفہوم آیت ۴۸]

اے نبیؐ! اِن سے کہو اگر تم اس کتاب کو جھٹلاتے ہو، تو لاؤ اللہ کی طرف سے کوئی اور کتاب جو قرآن اور تورات سے زیادہ ہدایت بخشنے والی ہو اگر تم سچے ہو تو میں اسی کی پیروی کروں گا۔ اب اگر وہ تمھارا یہ چیلنج قبول نہ کریں

تو یقین کر لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں [۱۸۲]، اور اُن سے بڑھ کر گم راہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کے بندے بنے ہوئے ہوں؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہر گز ہدایت نہیں بخشتا؛ اور معاملہ یہ ہے کہ ہدایت کے لیے نصیحت کی بات تو مسلسل ہم انھیں پہنچاتے رہے ہیں تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہوں [۱۸۳]۔ ....

.... [مفہوم آیات ۴۹تا۵۱]

نصاریٰ کا ایمان لانا اور اُن کی توصیف

اگلی آیات میں کفارِ مکہ کو اس واقعہ پر عبرت اور شرم دلائی گئی جو ہجرتِ حبشہ کے بعد یعنی اب سے چند ماہ قبل ہی پیش آیا تھا۔ عیسائیوں کا ایک وفد مہاجرین حبشہ کے دین کی تحقیق کرنے مکہ آیا۔ نبی ﷺ سے قرآن سن کر وفد کے تمام لوگ ایمان لے آئے، جن کے مقابلے میں محمد ﷺ کے اپنے ہی شہر کے لوگ اپنے گھر کی اس نعمت سے فایدہ اُٹھانے سے پرہیز کرتے رہے اور الٹا اُن لوگوں کی کھلم کھلا بے عزتی پر اُتر آئے۔ اس وفد کا تذکرہ جلد سوم صفحہ ۱۹۱ - ۱۹۲ پر موجود ہے۔

جن لوگوں کو اِس سے پہلے ہم نے کتاب عطا کی تھی وہ [۱۸۴] اِس قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب یہ اُن کو سُنایا

---

۱۸۲ یہ قرآن کی طرف سے کوئی دوسری من جانب اللہ ایک کتاب لانے کا چیلنج ہے، پھر یہ چیلنج اُن کے لیے آسان بنایا جاتا ہے کہ اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ، پھر بعد میں یہ چند آیتوں تک رہ جاتا ہے اور نتیجہ ظاہر ہے کہ ساری دنیا کو زبان سے ناآشنا جان کر عجمی [گونگا] پکارنے والے قرآن کے آگے عاجز رہ جاتے ہیں، یہ قرآن کے معجزہ ہونے کی نشانی ہے۔

۱۸۳ جیسا کہ یہ خطاب اہلِ مکہ سے ہے، گمان اس طرف جاتا ہے کہ اہلِ مکہ پر ہجرتِ حبشہ اولیٰ تک ایک انداز میں اتمامِ حجت کا آغاز تو ہو چکا تھا، یہ بات سابقہ جملے [جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کے بندے بنے ہوئے ہوں؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہر گز ہدایت نہیں بخشتا] سے بھی ظاہر ہے، مگر کاملاً اتمامِ حجت کے لیے کلامِ پرسوز و نصیحت مسلسل نازل ہوتا رہا اور ابھی [یعنی ۶ نبوی میں] اس کو مزید ۷ سال مسلسل نازل ہونا ہے؛ لہٰذا یہاں یہ جملہ بڑا برمحل ہے کہ: اور معاملہ یہ ہے کہ ہدایت کے لیے نصیحت کی بات تو مسلسل ہم انھیں پہنچاتے رہے ہیں تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہوں۔

۱۸۴ یعنی اہلِ کتاب، یہود و نصاریٰ میں سے کچھ سلیم الطبع اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں؛ خاص طور پر یہ بات حبش سے آنے والے نصاریٰ کے اُس وفد پر صادق آتی ہے جو ابھی حال ہی میں اسی سال حبش میں مہاجرین

جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اِس پر ایمان لائے، بلا شبہ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، ہم تو اس کے نزول سے قبل ہی اس کو تسلیم کرنے والے ہیں؛ اِس استقامت کے بدلے میں اِن لوگوں کو دُہرا اجر دیا جائے گا۔ وہ بُرائی کے جواب میں بھلائی کر کے اُسے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ مال و دولت اور سامانِ زندگی ہم نے انھیں عنایت کیا ہے اُس میں سے اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب یہ فضول بات سُنتے ہیں تو رحمان کے بندوں کی مانند یہ کہتے ہوئے علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ بھائی، ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال؛ سلام تم پر! ہم جاہلوں کی طرح جھگڑنا نہیں چاہتے۔ اے نبیؐ، تم جن کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت یابی کے طالب لوگوں کو خُوب جانتا ہے۔............ [مفہوم آیات ۵۲ تا ۵۶]

کیا محمد ﷺ پر ایمان معاشی تنگی کا سبب بنے گا!!

سورہ اپنے اختتام کی جانب ہے، اختتام سے قبل منکرین کے اس عذر پر گفتگو ہے کہ اگر وہ نبی ﷺ کے اس نئے دین توحید کو قبول کرلیں تو اس سرزمینِ حجاز میں اُنھیں جو مذہبی، سیاسی اور معاشی اہمیت اور مرکزیت حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گی، وہ اس علاقے کے سب سے اہم ملک اور سب سے زیادہ بااثر قبیلے کی حیثیت کھو دیں گے۔ یہ سرداران قریش کی حق سے دشمنی کا اصل محرک نہیں تھا، باقی سارے شبہات و اعتراضات کی طرح یہ بھی بس بہانوں میں سے ایک بہانہ ہی تھا جو سردارانِ قریش نے اپنے عوام کالانعام کو فریب دینے کے لیے تراشے تھے، لیکن اتمامِ حجت کے لیے جس طرح ایک ایک عذر کو اللہ تعالیٰ نے دلیل سے رد کیا تاکہ قیامت تک منکرین کے اس نوع کے اعتراضات کا قلع قمع ہو جائے، اس لیے اس عذر پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کے آخر تک تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ان تمام اوہام کی کمزوری کو واضح کیا ہے جن کو پیش کر کے سردارانِ قریش لوگوں کو حق کو قبول کرنے میں دنیوی مفاد کے تباہ ہونے کے خطرات دکھاتے تھے۔

وہ کہتے ہیں: اگر ہم تمھارے ساتھ اِس ہدایت و کتاب کی پیروی اختیار کرلیں تو حجاز کی سرزمین سے معیشت و معاشرت میں جو ہماری قدر و منزلت ہے وہ چھن [اُچک لی] جائے گی۔ غور کریں! کیا یہ لوگ [اہلِ مکہ] نہیں جانتے کہ ایک پُرامن حرم کو ان کے بسنے کے لیے اُن کا ملک بنا دیا جس کی طرف ہمارے فضلِ خاص سے ہر چیز کی

سے اسلام اور نئے نبی کے بارے میں سن کر تحقیقِ حال کے لیے مکہ آیا تھا اور نبی ﷺ سے قرآن سن کر ایمان لے آیا تھا۔

پیداوار بھی چلی آ رہی ہے؟ لیکن اِن کے اکثر لوگ احساس نہیں رکھتے۔ .... [مفہوم آیت ۵۷]

اور کتنی ہی تہذیبوں کو جن کے لوگ اپنی شان دار معیشت پر اترا گئے تھے، ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ پس دیکھ لو ان کے آثار جن میں ان کے بعد کم ہی کوئی آباد ہو سکا ہے، اور ہم ہی اِن کے وارث ہوئے؛ اور تیرے رب نے بستیوں کو برباد نہیں کیا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسُول نہ بھیج دیا جو ان کو ہماری آیات سُناتا تھا۔ اور اِسی طرح ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں بنتے جب تک کہ ان کے رہنے والے خود اپنی جانوں پر ظالم نہ ہو جائیں۔ تم لوگوں کو جو بھی چیزیں عطا کی گئی ہیں وہ تو بس دُنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر اور پائیدار ہے، تو کیا تم سمجھتے نہیں! .... [مفہوم آیات ۵۸ تا ۶۰]

بھلا وہ شخص، جس نے دینِ حق کو تسلیم کیا اور اُس سے ہم نے جنتوں کی بادشاہی کا خوش آیند وعدہ کیا ہو اور وہ وعدے کے مطابق لازماً پانے والا بھی ہو، کیا خوش نصیبی اور مقام و مرتبے میں اُس شخص جیسا ہو گا، جسے ہم نے صِرف چند روزہ دنیا کی زندگی کا سامان دیا ہے اور پھر وہ قیامت کے روز سزا کے لیے پیش کیے جانے والوں میں سے ہو گا؟ .... [مفہوم آیت ۶۱]

مشرکین کی روزِ قیامت رُسوائی

اور ذرا اُس دن کا خیال کرو جب وہ **مالک یوم الدین** خود پکارے گا اور اِن مشرکین سے پُوچھے گا: تمھاری جھوٹی اور خود ساختہ وہ میری ہمسر ہستیاں کہاں ہیں جن کو تم خدائی میں میرا شریک گمان کرتے تھے؟ تو قبائلی اور سیاسی سردار، حکم راں، مذہبی اکابرین جو اللہ کے اس قول کے اوّلین مصداق [۱۸۵] ہوں گے وہ کہیں گے: اے ہمارے رب، بلاشبہ یہی لوگ [پیچھے چلنے والے مشرک عوام کالانعام] ہیں جن کو ہم نے گم راہ کیا تھا۔ ہم نے اِن کو ویسے ہی گم راہ کیا جیسے ہم خود گم راہ تھے۔ ہم اِن کی عبادت سے بری الذمہ ہیں ہم ان سے اور ان کے عمل سے آپ کے سامنے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہم کو نہیں پوجتے [۱۸۶] رہے ہیں بلکہ یہ تو شیاطین کی عبادت کیا کرتے تھے۔

۱۸۵ ائمۃ الکفر اس خیال سے کہ کہیں عوام اپنی گم راہی کا الزام ہم پر نہ لگائیں خود ہی پہلے بول پڑیں گے، یوں لوگوں کو گم راہ کرنے کا سبب بننے کے ناطے وہی اِس سوال کے اولین مخاطب ہیں۔

۱۸۶ یہاں مجرمین کی سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی قیادت بہ یک زبان اس بات کا انکار کر دے گی کہ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے، ہمیں نہیں پوجتے تھے! ہم تو خود گم راہ تھے، ہمارا ان پر کوئی زور نہیں تھا، ہم نے ان کو دعوت دی، لالچ دیا، سہانے خواب دکھائے یہ خود فریب کے خوگر تھے، نبیوں کے اور اللہ کی کتاب کے مقابلے

پھراِن مجرمین سے کہا جائے گا کہ اب اس مشکل وقت میں دست گیری اور مشکل کشائی کے لیے پکارو اللہ کے ساتھ اپنے شریک ٹھہرائے ہوئے جھوٹے داتاؤں، دستگیروں اور مشکل کشاؤں کو، یہ انھیں پکاریں گے کہ وہ اِن کو بچائیں لیکن وہ اِن کو کوئی جواب نہ دیں گے۔ اور یہ مجرم لوگ اپنے سروں پر طاری عذاب کو دیکھ لیں گے۔ تب اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جھوٹے اور عذاب کے مستحق ہیں۔ کاش یہ ہدایت اختیار کرنے والے بنے ہوتے۔ ....
.... [مفہوم آیت ۶۲ تا ۶۴]

اور ذرا اُس دن کا تو سوچو جب وہ اِلٰہُ العالمین خود پکارے گا اور اِن منکرین رسالت سے پُوچھے گا: تم نے رسُولوں کو کیا جواب دیا تھا؟ اُس وقت اِن کے حواس گم ہو جائیں گے اور نہ ہی وہ آپس میں ایک دُوسرے سے صلاح مشورہ کر سکیں گے۔ البتہ جو آج اللہ کی طرف پلٹ آئے، ایمان اور نیک عمل کی گواہی کے ساتھ؛ وہ یہ توقع کر سکتا ہے کہ وہ وہاں میدانِ حشر میں فلاح پانے والوں میں سے ہو گا۔........ [مفہوم آیات ۶۵ تا ۶۷]

اور اے نبی، تمھاری رسالت پر یہ باتیں بنانے والے اہلِ مکہ سنیں! تیرا رب ہی تخلیق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی نمایندگی / پیغمبری کے لیے خود ہی پسند کر لیتا ہے، اس انتخاب میں لوگوں کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ پاک ہے اُس شرک سے جو یہ کرتے ہیں اور برتر ہے اُن ہستیوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ تیرا رب جانتا ہے جو کچھ یہ سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ یہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ وہی ایک ذات بس اللہ کی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اُلوہیت کے شایانِ شان تعریف اور شکریہ [حمد] تو بس اُسی کے لیے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اُسی کے اختیار میں فیصلہ ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جاؤ گے۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾......... [مفہوم آیات ۶۸ تا ۷۰]

اے نبیؐ، اِن سے کہو کہ بتاؤ، اگر اللہ ہمیشہ کے لیے تا بہ قیامت تم پر رات مسلّط کر دے تو اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تمھیں روشنی مہیا کر سکے؟ کیا تم سُنتے نہیں ہو؟____ اور اسی طور کبھی یہ بھی سوچا، کہ اگر اللہ ہمیشہ کے لیے تا بہ قیامت تم پر دن ہی باقی رکھے، تو اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تمھارے لیے رات لے آئے، جس میں تم سکون پا سکو؟ کیا تم کو عقل کی کوئی بات نہیں سوجھتی؟؟؟ اُس نے اپنی رحمتِ خاص سے تمھارے لیے رات اور دن کو بنایا تا کہ

میں ان کو ہماری بات زیادہ سہل اور دل پسند لگی، سو یہ بخوشی گم راہ ہو گئے، ہمارا کیا قصور ہم نے ان کو بندگی کی دعوت نہیں دی تھی۔ قرآن متعدد جگہ قوموں کو گمراہ کرنے والے ان اکابرین کا یہی حال بیان کرتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن میں عوام کی ان لیڈروں کی بلا قید فرماں برداری کو اِن کی عبادت و اطاعت سے تعبیر کرتا اور اِن کو خدائی کے سنگھاسن پر بٹھانے کا مجرم قرار دیتا ہے۔

تم رات میں سکون حاصل کرو اور دن کو اُس کے فضل کے طالب بنو اور، تاکہ تم شکر گزار بنو۔ [مفہوم آیات ۷۱ تا ۷۳]

اور ذرا اُس دن کا خیال کرو جب وہ مالک یوم الدین خود پکارے گا اور اِن سے پُوچھے گا: تمھاری جھوٹی اور خود ساختہ وہ میری ہم سر ہستیاں کہاں ہیں جن کو تم اُلوہیت میں میرا شریک گمان کرتے تھے؟ جب یہ مشرکین اور ان کے معبودانِ باطل اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تو ہم ہر اُمّت میں سے ایک پیغمبر کو گواہ بنا کر لائیں گے، جو گواہی دے گا کہ اُن تک دعوتِ توحید اور قیامت کی خبر پہنچا دی گئی تھی، پھر منکرینِ حق سے کہیں گے: لاؤ جاہلیت پر اپنے جمے رہنے کی دلیل؛ اُس وقت انھیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کی بات سچی ہے، اور اپنی ساری خود ساختہ افترا پردازیاں بھول جائیں گے۔.. [مفہوم آیات ۷۴ تا ۷۵]

قارون کا قصہ: دنیا میں سے اپنا حصہ نہ فراموش کرو، مگر دنیا پر اتراؤ نہیں

اہلِ مکہ کو سمجھانے کی خاطر اُن کی ایک دکھتی رگ پر اب ہاتھ رکھا جارہا ہے، وہ ہے دنیا پرستی! دنیا کی لذتوں میں گرم کھانے، گرم باہیں، شاندار عمارتیں، سواریاں، سانس لیتے [بے پناہ] خزانے اور عزت و اقتدار کے نشے میں لوگوں کے سر اپنے آگے جھکانے کا مزہ بھی شامل ہے۔ اہلِ مکہ کے لیے اسلام قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا پرستی کی اِن تمام لذتوں سے محرومی کا خطرہ تھا۔ ایک بے لگام زندگی میں آدمی جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے مگر بندگیِ رب اختیار کر کے وہ حدود کا پابند ہوتا ہے۔ اللہ کی بندگی، آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا اور محمد ﷺ کی کامل اطاعت اور اُن کی لیڈرشپ کو بلاچون وچرا تسلیم کرنا وہ مشکل کام تھے جو سردارانِ قریش کے بس میں نہیں تھے۔ فرعون کے درباریوں میں اس دنیا پرستی اور لذت پرستی کا ایک نمونہ قارون تھا، جو بنی اسرائیلی تھا اور اپنے دیگر ہم قوموں کی مانند ورثے میں ملے توحید اور آخرت کے دھندلے تصورات رکھتا تھا مگر وہ اپنی قوم کے راستے سے منحرف ہو گیا تھا۔ قارون[۱۸۷] کی مثال آج کل کے ایک دین سے بے بہرہ، نسلی مسلمان سرمایہ دار سے دی جا سکتی ہے جو آخرت سے غافل دنیا پرست ہو۔ اللہ رب العالمین نے چاہا کہ قارون کی مثال سے اہلِ مکہ کو رسول اللہ ﷺ سمجھائیں کہ اے بنو اسماعیل! قارون کی مانند بننا پسند نہ کرو، دنیا پرستی اور سرمایہ پرستی سے باز آجاؤ!

تاریخ کی یہ ایک حقیقت ہے کہ فرعون کا ہم نوا، قارون بنی اسرائیل یعنی موسیٰؑ ہی کی قوم کا ایک فرد تھا، اور ہم نے اس کو اتنے خزانے عطا کیے تھے جن کی کنجیاں طاقت ور جماعت[۱۸۸] بمشکل اُٹھا پاتی تھی۔ جب اُس نے اپنی قوم کو

---

۱۸۷ قارون کا تذکرہ اس کتاب کی جلد سوم میں سورہ عنکبوت کی آیت ۳۹ اور سورہ مومن کی آیت ۲۴ کے ذیل میں صفحہ ۱۴۴ اور ۱۷۰ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔۔

موسیٰ اور ہارون کی پیشوائی پر مجتمع دیکھا تو وہ حسد کا مارا قوم کے خلاف سرکش ہو گیا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے ایک موقع پر اس سے کہا: نہ اِترا! اللہ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو کچھ اللہ نے تجھے بخشا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور کچھ ملامت نہیں کہ دُنیا میں سے بھی اپنا حصہ نہ بھولے۔ سُن، کہ جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کر اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اُس نے جواب دیا: مجھے یہ جو سب کچھ ملا ہے میرے اپنے علم و تدبیر کے ذریعے ملا ہے۔ کیا اس کی 'اعلیٰ' سمجھ بوجھ کو یہ ادراک نہ تھا کہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کیا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے؟ مجرموں سے تو ان کے گناہ نہیں پُوچھے جاتے۔.......... [مفہوم آیات ۷۶ تا ۷۸]

قارون کو آخرت کی جانب راغب کرنے کے لیے اُس کی قوم کے لوگوں نے اُسے ایک بار خیر خواہی کے ساتھ سرکشی پر ڈراتے ہوئے، آخرت کا بھی کچھ خیال کرنے کی نصیحت کی، قارون نے اپنی قوم کی خیر خواہی کو ٹھکرا کر اپنے رب کا ناشکرا بننا ہی پسند کیا۔ قارون اپنے عناد اور سرکشی پر ہی جما رہا۔ اُس نے تکبر اور غرور کی بنا پر اپنی قوم کی خیر خواہی کو قبول نہیں کیا۔ وہ خود پسندی میں مبتلا تھا، جو مال و دولت اُسے عطا ہوا تھا اُس نے اُسے دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ ایک روز جب وہ شان و شوکت سے نکلا اور مسکین مگر دنیا پرست لوگ اُس سے مرعوب تھے، اُس کے لباس کی ہئیت نے دلوں کو لالچ سے لبریز کر دیا اور اُس کی سج دھج نے نفوس کو اپنی طرف کھینچ لیا، دیکھنے والے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ جن کے نزدیک دنیا ہی سب کچھ تھی اور دوسرے وہ جو آخرت کی کام یابی کو اپنی منزل جانتے تھے اور دنیا کو ایک عارضی جگہ سمجھتے تھے۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہاں قارون کے تذکرے کے ساتھ مسکین سرمایہ پرستوں کا بھی ذکر ہے جو قارون کے ٹھاٹھ باٹ پر رشک کرتے تھے۔ یہ غور کرنے کی بات ہے کہ سرمایہ پرستی ایک مزاج اور ایک فکر کا نام ہے جس میں ایک غریب بھی مبتلا ہوتا ہے البتہ لوگوں کے حقوق غصب کر کے اور اُن کا خون نچوڑ کے اور کرپشن اور حرام ذرائع کے ساتھ مال جمع کر کے سرمایہ دار بن جانا ایک دوسری چیز ہے جس کا موقع ہر ایک کو نہیں ملتا۔ قارون ایک سرمایہ پرست سرمایہ دار تھا۔ اُس کو زمین میں دھنسا دیا گیا کہ وہ اپنی ناجائز دولت پر اتراتا اور لوگوں کو آخرت پسندی اور اللہ پرستی کے مقابلے میں دنیا پرستی پر اکساتا تھا۔ اس کے مقابلے میں غریب بنی اسرائیلی لوگ جو اُس پر رشک کرتے تھے بچا لیے گئے، تاکہ وہ توبہ کر لیں اور زندگی کے اس ماڈل پر نہ ریجھ مریں، لیکن آخرت میں جہاں اعمال اپنی کمیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ اُن کے پیچھے کارفرما نیتوں اور فکر کے لحاظ سے تولے جائیں گے، وہاں

۱۸۸ 'عصبۃ' کا اطلاق سات سے دس تک کی تعداد پر ہوتا ہے۔

ممکن ہے ایک سرمائے سے محبت کرنے والا غریب آدمی، جہنم کے اندر قارون سے بھی زیادہ نچلے طبقے میں ہو بسبب اپنی بہت سرمایہ پرستانہ سوچ اور بُری نیت سے موقع ملنے پر ایک چھوٹا سا کرپشن کر پانے کے۔ اگلی آیات میں پورا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک روز قارون اپنی قوم کے سامنے اپنی پُوری شان و شوکت کے ساتھ نکلا۔ جو لوگ حیاتِ دنیا پر ریجھ مرے تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے " کاش ہمیں بھی وہی کچھ حاصل ہوتا جو قارون کو حاصل ہے، یہ تو بڑا ہی خوش قسمت ہے! مگر بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو حقیقتِ دنیا کو جانتے اور علم و حکمت والے تھے پکار اُٹھے ! اے دنیا پرستو! افسوس تمھارے حال پر، جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، اُس کو اللہ کی جانب سے آخرت میں ملنے والا صلہ بدرجہا بہتر ہے قارون کو ملنے والے مال سے؛ بات یہ ہے کہ سلامت فکری کی یہ دولتِ علم و حکمت ہر کسی کو نہیں ملتی مگر ہر حال میں صبر سے ایمان پر جمے رہنے والوں کو۔.......... [مفہوم آیات ۷۹ تا ۸۰]

بس ہم نے اُسے اور اُس کے گھر سمیت زمین کو دَھنسا دیا۔ اِس آفت کے مقابلے میں نہ وہ خود اپنی کوئی مدد کر سکا اور نہ ہی کوئی جتھا اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کو آیا اور وہی لوگ جو کل اس کی طرح شان و شوکت کے متمنی تھے ایسے عذاب سے ڈرتے اور کانپتے پکار اُٹھے: لاریب، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر فضل نہ کیا ہوتا تو وہ ہماری بات پر گرفت کر لیتا اور ہمیں بھی دَھنسا دیتا۔ لاریب، کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔.......... [مفہوم آیات ۸۱ تا ۸۲]

حاصلِ کلام: خلاصہ ٔ دعوت

ہم یہ آخرت کا گھر تو بس، صرف اُن ہی لوگوں کے لیے رکھیں گے، جو زمین میں نہ مغرور بن کر رہتے ہیں اور نہ ہی فساد مچاتے ہیں؛ اور ساری زندگانی کی سعی و جہد کا بھلا انجام تو صرف اللہ سے ڈرتے ہوئے پرہیزگاری کی زندگی گزارنے والوں ہی کے لیے ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾[189]۔ جو نیکیاں کما کر لائے گا اس کے لیے اُن نیکیوں سے بدرجہا بہتر نیک اجر ہے، یہ اللہ کی فیاضی ہے، اور جو بدی کما کر لائے گا تو بس ویسا ہی برابدلہ ملے گا جیسے اور جتنے بُرے عمل وہ کرتے تھے، یہ اُس کا عدل و کرم ہے۔.......... [مفہوم آیات ۸۳ تا ۸۴]

۱۸۹ امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کی بیوی نے سُنا کہ مرنے سے قبل وہ یہی آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

اے نبیؐ، بلاشبہ جس نے تم پر قرآن کی تلاوت اور قیام کی ذمہ داری ڈالی ہے وہ تمھیں ایک بہترین انجام [end] کو پہنچا کر رہے گا۔اِن لوگوں سے کہہ دو: میرا رب خُوب جانتا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون ہے جو کھُلی گم راہی میں ہے۔ تمھیں تواس بات کا گمان تک نہ تھا کہ تم نبی بنائے جاؤ گے اور تم پر کتاب نازل کی جائے گی، یہ توبس تمھارے رب کے فضل سے تم پر اُتری ہے، پس تم ہر گز کافروں کے مددگار نہ بنو۔اور وہ تم کو اللہ کی آیات پر عمل کرنے اور نافذ کرنے سے بازنہ رکھنے پائیں۔اپنے رب کی طرف دعوت دو اور ہر گز مشرک نہ بنو اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبُود کو نہ پکارو۔اُس کے سوا کوئی معبُود نہیں۔اُس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ اقتدار، فیصلہ اور فرماں روائی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف تم سب پلٹائے جاؤ گے۔....................

[مفہوم آیات ۸۵ تا ۸۸]..

☆☆☆☆☆

سلام اس پر کہ!

سلام اُس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اُس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا

سلام اُس پر، جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اُس پر، جو فرش خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

سلام اُس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اُس پر کہ جس کا نام لے کر اُس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تخت قیصریت، اوج دارائی

سلام اُس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا، سرفروشی کے فسانے میں

ماہر القادری